تاسّف کیا ہے مگر یہ ملال اور اظہارِ یہ افسوس اُن کے کارناموں کے بیان میں دب جاتا ہے اس لیے ہم ایسے اظہارِ ملال و تاسّف کو قطعی طور پر مرثیہ نہیں کہیں گے۔ خنساءؓ ہی نے دراصل باقاعدہ طور پر مرثیہ گوئی سے عربی شاعری کے رزمیہ اسلوب (EPIC) کو نکھارا۔

یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ خنساءؓ نے دورِ جاہلیت میں بھی شاہکار مرثیے تخلیق کیے اور ظہورِ اسلام کے بعد بھی اُن کی شاعری میں جذبات و الم پرستی کے عناصر اپنے عروج پر رہے۔ یہاں تک بھی روایات ملتی ہیں کہ عہدِ نبویؐ میں نوحہ اور بین کو ممنوع قرار دینے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ماتمی لباس پہننے اور جاہلی عہد کے سے اسلوب میں مرثیہ کہنے کی خصوصی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔ عہدِ جاہلیت میں بھی خنساءؓ نے اپنی نغز گوئی اور انتہائی معیاری شاعری کا اعتراف اور فنی عظمت کا لوہا بڑے بڑے جغادری شعراء سے کروایا اور ظہورِ اسلام کے بعد بھی بہت سے علماء، صحابہؓ اور امہات المومنینؓ سے اپنے دلگداز مرثیوں کی داد لی۔ ایک روایت کے مطابق خنساءؓ کی شاعری ظہورِ اسلام سے چند سال قبل ہی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے مقابلے میں دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب ۸ھ میں خنساءؓ مشرف بہ اسلام ہوئیں تو اُس کے بعد انہوں نے اپنے مرثیوں کے اشعار جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائے جنہیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت متاثر ہوئے اور مزید اشعار سننے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت خنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرثیوں کو مکرر سنا۔ جب حضرت خنساءؓ اپنے انتہائی درد بھرے اشعار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سناتیں تو حضورؐ فرماتے" ہاں تو اے خنساء! آگے کہو"۔ کئی مرتبہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوقِ سماعت میں حضرت خنساءؓ کو یہ بھی کہا" اے خنساء! اور سناؤ، اور سناؤ، مکرر کہو۔ اے خنساء! آگے کیا ہے۔ اے خنساء کہو اے خنساء! اور کہو۔۔۔"

(جاری ہے)

۵

خودی اور مفلسی

بن گیا تو شیر سے روبہ مزاج — اور سبب اس کا نہیں جز احتیاج
خستہ و بدحال کرتی ہے غرض — تجھ کو لاحق اور نہیں کوئی مرض
سست پڑ جاتی ہے اس سے فکرِ تند — قوتِ تخئیل ہو جاتی ہے کُند
رنگ اپنا اپنی محنت سے جما — اپنے ہاتھوں سے خود اپنا دھن کما
[1] خود اتر تو اونٹ سے مثلِ عمرؓ — غیر کے احساں سے سو بار الحذر!
کب تلک منصب کی دریوزہ گری — اسپِ چوبیں کے لیے یہ طفلگی!
اپنی فطرت کو، جو ہے افلاک سیر — مت گرا تو لے کے یوں احسانِ غیر
ہاتھ پھیلانے سے ڈرتی ہے خودی — پارہ پارہ ہو کے مرتی ہے خودی
ہاتھ پھیلانے سے مفلس خوار تر — کر کے دریوزہ گری نادار تر
کر نہ یوں اپنی خودی کو پاش پاش — مثلِ مہ، رزق اپنا پہلو سے تراش
گرچہ تو ہو تنگ روزی، تنگ دست — بھیک سے فطرت کو اپنی کر نہ پست

---

[1] ایک مرتبہ اونٹ پر سواری کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے تازیانہ گر پڑا تھا، وہ امیر المومنین کی حیثیت سے کسی کو تازیانہ اٹھا کر دینے کا حکم دے سکتے تھے لیکن وہ خود ہی اونٹ سے اترے اور تازیانہ اٹھا کر اونٹ پر پھر سے سوار ہوئے۔ اس شعر میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔